



سہ ماہی ”تحقیق و تجزیہ“ (جلد 4، شمارہ: 3)، جولائی تا ستمبر 2026ء

Historical and Cultural Consciousness in the Travelogues of Raza Ali Abidi

رضا علی عابدی کے سفر ناموں میں تاریخی و تہذیبی شعور

Tallat Mehmood Ajiz*¹

Ph.D. Urdu Scholar, FUUAST, Islamabad

☆¹ طلعت محمود عاجز

پی ایچ ڈی اردو سکالر، وفاقی اردو یونیورسٹی، آرٹس، سائنس اینڈ ٹیکنالوجی، اسلام آباد

Correspondance: tallattallat.fuu@gmail.com

eISSN: 3005-3757

pISSN: 3005-3765

Received: 22-07-2026

Accepted: 23-09-2026

Online: 25-09-2026



Copyright: © 2026 by
the authors. This is an
access-openarticle
distributed under the
terms and conditions of
the Creative Common
Attribution (CC BY)
license

ABSTRACT: Travel writing is an important genre of Urdu literature that has gradually developed from a simple record of journeys and geographical observations into a multidimensional literary form encompassing history, culture, society, human experience, and civilizational consciousness. The present study examines the historical and cultural consciousness reflected in the travelogues of Raza Ali Abidi, one of the prominent contemporary Urdu travel writers, journalists, broadcasters, and observers of social and cultural life. The study explores how Abidi transforms travel from a mere geographical experience into an intellectual and cultural journey through history, collective memory, social values, and human relationships. The research demonstrates that Abidi's travelogues represent a distinctive synthesis of journalistic observation, historical awareness, literary sensitivity, cultural understanding, and critical insight. His travel narratives do not merely describe cities, roads, rivers, buildings, museums, libraries, and historical monuments; rather, these places are interpreted as living cultural texts that preserve the memories of human civilization. In works

such as Journali Sarak, Shair Darya, Rail Kahani, Jehazi Bhai, and Europe: A Journalist's View, and Tees Saal Baad, history is presented as a dynamic process connecting the past with the present and influencing the possibilities of the future.

KEYWORDS: Raza Ali Abidi, Safar Nama, Travelogue, Journali Sarak, Shair Darya, Rail Kahani, Jehazi Bhai, Ajournalist view, Tees Saal baad

اردو ادب کی مختلف اصناف میں سفر نامہ ایک ایسی صنف ہے جس نے وقت کے ساتھ محض سیاحت کی روداد سے آگے بڑھ کر انسانی تہذیب، تاریخ، ثقافت اور تمدنی شعور کی تفہیم کا ایک معتبر وسیلہ اختیار کر لیا ہے۔ ابتدائی سفر ناموں میں جہاں جغرافیائی معلومات، راستوں کی تفصیلات اور عجائباتِ عالم کا بیان نمایاں تھا، وہاں جدید سفر نامہ انسان، معاشرہ، تاریخ اور تہذیب کے باہمی رشتوں کی تفہیم کا ایک جامع ادبی متن بن کر سامنے آتا ہے۔ عصر حاضر میں سفر نامہ صرف مقامات کی سیر کا بیان نہیں بلکہ زمان و مکان کے باہمی تعامل، تہذیبی تغیرات، اجتماعی یادداشت اور انسانی شناخت کے پیچیدہ مباحث کا ترجمان بن چکا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جدید تنقید سفر نامے کو ایک کثیر الجہتی (Multi-dimensional) صنفِ ادب قرار دیتی ہے، جس میں تاریخ، بشریات، ثقافتی مطالعات، لسانیات، عمرانیات اور ادبی جمالیات ایک دوسرے سے ہم آہنگ ہو کر نئے معانی پیدا کرتے اور سفر نامہ نگاری کی روایت میں اگرچہ متعدد اہم نام ملتے ہیں، تاہم رضا علی عابدی اس اعتبار سے منفرد ہیں کہ ان کے سفر نامے ایک صحافی کے باریک مشاہدے، ایک ادیب کی جمالیاتی حس، ایک مؤرخ کی تاریخی بصیرت اور ایک تہذیب شناس مفکر کے فکری شعور کا حسین امتزاج پیش کرتے ہیں۔ ان کے یہاں سفر محض فاصلے طے کرنے کا نام نہیں بلکہ تاریخ کی تہوں میں اتر کر تہذیبوں کی روح دریافت کرنے کا عمل ہے۔ وہ شہروں کی عمارتوں سے زیادہ ان کے پس منظر میں کار فرما تہذیبی روایت، انسانی جدوجہد اور تاریخی تسلسل کو موضوع بناتے ہیں۔ یہی وصف ان کے سفر ناموں کو محض مشاہداتی ادب نہیں رہنے دیتا بلکہ انہیں تہذیبی دستاویز کی حیثیت عطا کرتا ہے۔ الطاف گوہر نے رضا علی عابدی کے بارے میں بتاتے ہیں۔

”رضا علی عابدی نے کیا سفر نامہ لکھا، کتاب کے ہر صفحے پر جیسے رنگارنگ شگوفے کھل رہے ہیں۔ دھیمے مزاج کے، لطیف نکتوں کے اور جذب میں ڈوبی ہوئے مشاہدات کے، کیسی سادہ زبان میں کتنی گہری باتیں کہہ گئے ہیں۔ کتاب پڑھ کر مصنف کے ایک تاریخی شاہراہ سے جذباتی لگاؤ کا اندازہ بھی ہوا

اور یوں بھی لگا، پشاور سے کلکتہ تک تمام راستے زندگی بھر کی یادیں بھورے
بادلوں کی طرح ساتھ چلی آرہی ہیں“⁽¹⁾

رضاعلی عابدی کے سفر نامے اس اعتبار سے بھی اہم ہیں کہ وہ مشرق اور مغرب کے درمیان کسی مصنوعی تقابل کے بجائے
ایک متوازن تہذیبی مکالمہ قائم کرتے ہیں۔ وہ مغربی معاشرے کی ترقی، نظم و ضبط، علمی روایت اور سماجی شعور کو سراہتے
ہیں، مگر اپنی تہذیبی شناخت سے دست بردار نہیں ہوتے۔ اسی طرح برصغیر کی تاریخ اور تہذیب کو بیان کرتے ہوئے وہ
جذباتیت سے گریز کرتے ہیں اور تحقیقی دیانت کو مقدم رکھتے ہیں۔ ان کی تحریروں میں ماضی کی بازیافت، حال کا تجزیہ اور
مستقبل کے امکانات ایک مربوط فکری سلسلے کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔

جدید سفر نامہ نگاری کے رجحانات

عصر حاضر میں سفر نامہ نگاری کے تصور میں نمایاں تبدیلی واقع ہوئی ہے۔ اب سفر نامہ کسی مقام کی سیاحتی روداد نہیں بلکہ
تہذیبی، تاریخی اور ثقافتی مطالعے کا ایک مؤثر وسیلہ سمجھا جاتا ہے۔ جدید سفر ناموں میں درج ذیل رجحانات نمایاں ہیں:

☆ تاریخی شعور کی بازیافت ☆ ثقافتی شناخت کا مطالعہ ☆ بین الثقافتی مکالمہ مابعد نوآبادیاتی تناظر ☆ اجتماعی یادداشت

☆ تہذیبی ورثے کا تحفظ ☆ انسانی اقدار کی جستجو ☆ صحافتی مشاہدے اور ادبی اظہار کا امتزاج

رضاعلی عابدی کے سفر نامے ان تمام رجحانات کی نمائندگی کرتے ہیں۔ ان کے یہاں ہر شہر اپنی تہذیب کے ساتھ زندہ
ہے، ہر تاریخی عمارت ایک داستان سناتی ہے اور ہر راستہ ماضی اور حال کے درمیان ایک مکالمہ قائم کرتا ہے۔

تاریخی شعور کا تصور

تاریخی شعور سے مراد ماضی کے واقعات کو محض زمانی ترتیب میں بیان کرنا نہیں بلکہ ان کے اسباب، اثرات، تہذیبی نتائج
اور موجودہ زندگی سے ان کے تعلق کو سمجھنا ہے۔ جدید تاریخ نگاری میں تاریخ کو ایک زندہ عمل تصور کیا جاتا ہے جو حال
کی تشکیل میں مسلسل کردار ادا کرتی ہے۔ رضاعلی عابدی کے سفر ناموں میں تاریخی شعور اس انداز سے جلوہ گر ہوتا ہے کہ
وہ کسی تاریخی مقام کا ذکر کرتے ہوئے صرف اس کی ظاہری صورت بیان نہیں کرتے بلکہ اس کے پس منظر میں موجود
تہذیبی ارتقاء، سیاسی تغیرات اور انسانی جدوجہد کو بھی سامنے لاتے ہیں۔ ان کے نزدیک تاریخ عمارتوں، شاہراہوں اور
دریاؤں میں بھی سانس لیتی ہے اور انسان کی اجتماعی یادداشت کا حصہ بن کر حال کو معنی عطا کرتی ہے۔ علامہ شبلی نعمانی لکھتے
ہیں۔

”تاریخ ان واقعات کے علم کو کہتے ہیں، جو انسان کے کسی جماعت یا قوم پر گزرتے ہیں اور جن سے ان کی ترقی یا زوال کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے“^(۲)

تہذیبی شعور کا تصور

تہذیبی شعور کسی قوم کی اجتماعی زندگی، اقدار، رسوم، زبان، فنون، عقائد اور طرز معاشرت کے ادراک کا نام ہے۔ یہ شعور محض ماضی کی بازیافت تک محدود نہیں رہتا بلکہ حال کی تعبیر اور مستقبل کی سمت کا بھی تعین کرتا ہے۔

رضا علی عابدی کے سفر ناموں میں تہذیب ایک زندہ حقیقت ہے۔ وہ مختلف معاشروں کا مطالعہ کرتے ہوئے ان کی زبان، رہن سہن، خوراک، تعمیرات، تعلیمی نظام، عوامی رویوں اور تاریخی روایت کو باہم مربوط انداز میں پیش کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی تحریریں مختلف تہذیبوں کے درمیان ایک علمی مکالمہ قائم کرتی ہیں، نہ کہ تصادم۔ احمد ندیم قاسمی لکھتے ہیں۔

”قومی وجود میں تہذیب کی حیثیت وہی حیثیت ہوتی ہے جو انسانی جسم میں چہرے کی ہے۔ ہم لوگوں کو صرف ان کے چہروں سے پہچانتے ہیں۔ اگر ہماری تہذیب خدو خال نمایاں نہیں ہیں تو ہماری پہچان مشکل ہے“^(۳)

رضا علی عابدی کی سفر نامہ نگاری کی انفرادیت

رضا علی عابدی کی سفر نامہ نگاری کئی حوالوں سے منفرد ہے۔ سب سے پہلے ان کی صحافتی تربیت نے انہیں غیر معمولی مشاہدے کی قوت عطا کی۔ وہ ہر منظر کو باریک بینی سے دیکھتے ہیں اور معمولی جزئیات سے بھی بڑے تہذیبی نتائج اخذ کرتے ہیں۔

دوسری نمایاں خصوصیت ان کی تاریخی بصیرت ہے۔ وہ جس مقام پر جاتے ہیں، اس کی تاریخ، تمدنی ارتقا اور ثقافتی اہمیت کو مربوط انداز میں بیان کرتے ہیں۔ ان کے ہاں معلومات محض حوالہ نہیں بنتیں بلکہ ادبی حسن کے ساتھ مربوط ہو کر قاری کے شعور کا حصہ بن جاتی ہیں۔ تیسری خصوصیت ان کا متوازن اسلوب ہے۔ وہ نہ مشرق کی غیر مشروط مدح کرتے ہیں اور نہ مغرب کی اندھی تقلید؛ بلکہ دونوں تہذیبوں کا غیر جانب دارانہ اور معروضی مطالعہ کرتے ہیں۔ ان کے سفر ناموں میں جذباتیت کے بجائے علمی بصیرت اور تنقیدی شعور نمایاں ہے۔

رضا علی عابدی کی سفرنامہ نگاری اردو ادب میں ایک منفرد مقام رکھتی ہے، کیونکہ اس میں سفر، تاریخ، تہذیب، صحافت اور ادب ایک دوسرے میں اس طرح مدغم ہو جاتے ہیں کہ ہر سفرنامہ ایک فکری، تہذیبی اور تاریخی دستاویز بن جاتا ہے۔ ان کی تحریروں میں تاریخی شعور ماضی کی بازیافت تک محدود نہیں رہتا بلکہ حال کی تفہیم اور مستقبل کی تعمیر کا وسیلہ بن جاتا ہے، جب کہ تہذیبی شعور مختلف ثقافتوں کے درمیان احترام، مکالمے اور انسان دوستی کے اصولوں کو فروغ دیتا ہے۔ یہی اوصاف ان کے سفرناموں کو اردو سفرنامہ نگاری کی روایت میں ایک ممتاز اور منفرد مقام عطا کرتے ہیں اور انہیں جدید تنقیدی مباحث کے تناظر میں از سر نو مطالعے کا مستحق بناتے ہیں۔ رضا علی عابدی کی سفرنامہ نگاری کا سب سے نمایاں وصف ان کا تاریخی شعور ہے۔ وہ تاریخ کو ماضی کے واقعات کا غیر متحرک ریکارڈ نہیں سمجھتے بلکہ ایک ایسی زندہ روایت تصور کرتے ہیں جو حال کی تعبیر اور مستقبل کی سمت متعین کرتی ہے۔ ان کے نزدیک ہر شہر، ہر دریا، ہر شاہراہ، ہر عمارت اور ہر کتاب انسانی تہذیب کی ایک داستان اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ یہی سبب ہے کہ ان کے سفرنامے محض سیاحتی مشاہدات نہیں بلکہ تاریخ، تہذیب اور انسانی ارتقا کے عمیق مطالعے میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ ڈاکٹر صدف فاطمہ کا سفرنامے کے بارے میں یہ اقتباس ملاحظہ ہو۔

”سفرنامہ ایسی غیر افسانوی صنفِ ادب ہے جس میں فکشن کی تنظیم، آپ
ہیئت کی ذاتیت، روپوتاژ کی قوتِ متخیلہ، اینتھرپالوجسٹ کی انسان دوستی
تاریخ کی تخلیقی بصارت، جیالوجسٹ کی وسعتِ فطرت اور تخلیق کی
جولانیاں شامل ہو سکتی ہیں“ (۴)

جدید تاریخی تنقید (New Historicism) اس امر پر زور دیتی ہے کہ ادبی متن اپنے عہد کی سماجی، سیاسی اور تہذیبی قوتوں سے جدا نہیں ہوتا۔ رضا علی عابدی کے سفرنامے اس نظریے کی عملی تفسیر معلوم ہوتے ہیں، کیونکہ ان کے یہاں ہر تاریخی مقام اپنی پوری تہذیبی معنویت کے ساتھ زندہ ہوا اٹھتا ہے۔ وہ تاریخ کو صرف بیان نہیں کرتے بلکہ اس کے اندر پوشیدہ انسانی تجربات، اجتماعی یادداشت اور تہذیبی ارتقا کو دریافت کرتے ہیں۔

تاریخی شعور اور رضا علی عابدی کا زاویہ نظر

رضا علی عابدی کی تحریروں میں تاریخی شعور کا بنیادی سرچشمہ ان کا وسیع مطالعہ، صحافتی تجربہ اور تہذیبی آگہی ہے۔ وہ کسی مقام پر پہنچ کر صرف اس کے موجودہ حالات کا مشاہدہ نہیں کرتے بلکہ اس کے ماضی، اس کی تہذیبی روایت اور اس کے تاریخی سفر کو بھی اپنے بیانے کا حصہ بناتے ہیں۔

ان کے نزدیک تاریخ صرف بادشاہوں، جنگوں یا سلطنتوں کی داستان نہیں بلکہ عام انسانوں کی زندگی، ان کی زبان، ان کے رسم و رواج، ان کی محنت اور ان کی تہذیبی کاوشوں کا مجموعہ ہے۔ اسی لیے ان کے سفر ناموں میں تاریخی شعور ایک انسانی اور تہذیبی شعور کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔

تاریخ کی بازیافت کا اسلوب۔ رضا علی عابدی کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ وہ تاریخ کو خشک علمی انداز میں بیان نہیں کرتے بلکہ اسے ادبی اور جمالیاتی پیرائے میں پیش کرتے ہیں۔ ان کی تحریروں میں تاریخی واقعات داستان کی سی کشش رکھتے ہیں، لیکن اس کے باوجود تحقیقی دیانت اور تاریخی صداقت برقرار رہتی ہے۔

وہ کسی تاریخی مقام کا ذکر کرتے ہوئے اس کے سیاسی پس منظر، تہذیبی اہمیت، تمدنی ارتقا اور انسانی کردار کو اس طرح مربوط کرتے ہیں کہ قاری محض معلومات حاصل نہیں کرتا بلکہ اس تاریخی فضا کو محسوس بھی کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے سفر نامے تاریخ کی تدریس نہیں بلکہ تاریخ کا تجربہ بن جاتے ہیں۔

”جرنیلی سڑک“ میں تاریخی شعور: رضا علی عابدی کے سفر ناموں میں ”جرنیلی سڑک“ تاریخی شعور کا سب سے نمایاں اظہار ہے۔

یہ شاہراہ محض ایک سڑک نہیں بلکہ برصغیر کی ہزاروں برس کی تہذیبی تاریخ کی امین ہے۔ مصنف اس شاہراہ کو مختلف سلطنتوں، تہذیبوں، لشکروں، تاجروں، صوفیوں اور مسافروں کی مشترکہ یادگار قرار دیتے ہیں۔ وہ اس شاہراہ کے ذریعے یہ واضح کرتے ہیں کہ تاریخ صرف عمارتوں میں محفوظ نہیں ہوتی بلکہ راستے بھی تاریخ کے گواہ ہوتے ہیں۔ یہی راستے تہذیبوں کے درمیان رابطے پیدا کرتے ہیں، زبانوں کو قریب لاتے ہیں، تجارت کو فروغ دیتے ہیں اور ثقافتوں کے تبادلے کا ذریعہ بنتے ہیں۔ تنقیدی اعتبار سے ”جرنیلی سڑک“ کو Cultural Memory اور Historical Geography کے امتزاج کی بہترین مثال قرار دیا جاسکتا ہے۔ جرنیلی سڑک کے تاریخی و تہذیبی شعور کے متعلق جمیل جالبی لکھتے ہیں۔

”اس کتاب کی خوبی یہ ہے کہ آپ کا وقت بھی آسانی سے گزر جاتا ہے۔ اور جب آپ کتاب ختم کرتے ہیں تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ زندگی کی تپتی دوپہر میں پوری تاریخ و تہذیب کے شجر سایہ دار آپ کو ٹھنڈ کا اور سایہ مہیا کیا ہے“ (۵)

”شیر دریا“ میں تاریخ اور تہذیب: شیر دریا میں رضا علی عابدی نے دریاؤں کو انسانی تہذیب کے بنیادی معمار کے طور پر پیش کیا ہے۔ وہ اس حقیقت کی نشاندہی کرتے ہیں کہ دنیا کی بڑی تہذیبیں ہمیشہ دریاؤں کے کنارے پروان چڑھی ہیں۔ ان کے نزدیک دریا صرف پانی کا بہاؤ نہیں بلکہ انسانی تمدن، معیشت، زراعت، تجارت اور ثقافت کا سرچشمہ ہیں۔ وہ دریا کے

سفر کے ساتھ انسانی تاریخ کے سفر کو بھی جوڑتے ہیں۔ یہ تصور جدید تاریخی اور ثقافتی مطالعات میں Environmental History اور River Civilization Studies سے مطابقت رکھتا ہے۔ شیر دریا کے پیش لفظ میں رضا علی عابدی لکھتے ہیں۔

"حقیقت یہ ہے کہ یہ کتاب دریا کی کہانی نہیں، اس کے کنارے بسنے والوں کی ہزار داستان ہے، کہیں یہ دریا دکھ دیتا ہے، کہیں سُکھ بانٹتا ہے اور کہیں سُکھ چھینتا ہے سچ تو یہ ہے اس کے کنارے پروان چڑھنے والی تہذیبیں کبھی کی کھنڈر ہو چکی ہیں۔ اب تہذیب، تمدن ترقی اور خوشحالی کے دھارے کہیں اور بہتے ہیں" (۶)

ریل کہانی "بطور تاریخی دستاویز: رضا علی عابدی کی کتاب "ریل کہانی" بظاہر ریلوے کی تاریخ بیان کرتی ہے، لیکن حقیقت میں یہ برصغیر کی سماجی، اقتصادی اور سیاسی تبدیلیوں کی ایک جامع دستاویز ہے انہوں نے ریل کو صرف ایک ٹرانسپورٹ سسٹم کے طور پر

نہیں دیکھا بلکہ اسے انسانی تہذیب کی رفتار، نوآبادیاتی تاریخ، صنعتی انقلاب اور سماجی تبدیلی کی علامت قرار دیا۔ رضا علی عابدی کی منظر نگاری کا ایک منظر۔

"رام لال سے باتیں ہو رہی تھیں اور لکھنؤ کے جھروکوں سے مجھے کبھی مسجدوں، امام باڑوں، محلوں اور مقبروں کے برج مینار اور گنبد نظر آتے تھے، کبھی انگریزوں کی ریڈیو کی برآمدوں کے ستون اور الماریاں دکھائی دیتیں تھیں۔ لیکن ان سارے مناظروں میں سے سب سے نمایاں منظر لکھنؤ کے ریلوے اسٹیشن کی عمارت کا تھا" (۷)

وہ دکھاتے ہیں کہ کس طرح ریل نے شہروں، دیہات، زبانوں، ثقافتوں اور معاشرتی روابط کو ایک نئی جہت عطا کی۔ تنقیدی اعتبار سے یہ سفر نامہ Technology and History کے باہمی تعلق کی نہایت کامیاب مثال ہے۔

”جہازی بھائی“ میں رضا علی عابدی سمندر اور جہاز رانی کی تاریخ کو انسانی تہذیب کے ارتقا سے جوڑتے ہیں۔ وہ بحری راستوں کی اہمیت، عالمی تجارت، تہذیبوں کے ملاپ، نوآبادیاتی توسیع اور انسانی روابط کو نہایت بصیرت کے ساتھ بیان

کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک سمندر صرف جغرافیہ نہیں بلکہ تہذیبوں کو ایک دوسرے سے ملانے والا وسیع راستہ ہے۔ یہ سفر نامہ عالمی تاریخ (Global History) کے تصور سے گہری مطابقت رکھتا ہے۔ ”جہازی بھائی کے حوالے سے رضا علی عابدی لکھتے ہیں۔

”ہوایہ کہ ماریش میں سب سے پہلے عرب آئے۔ یہ چھٹی صدی کے وسط کی بات ہے۔ اس کے بعد واس کوڈے گا مادھر سے گزرا۔ پھر پرنگلی آئے، ان کے بعد ولندیزی نہر سونزو تو اس وقت تھی ہی نہیں، ہندوستان اور مشرق بعید جانے والوں کو اس امید کا چکر کاٹ کر ادھر ہی سے گزرنا پڑتا تھا۔ ولندیزیوں نے اس جزیرے پر اپنا جھنڈا گاڑ دیا اور یہاں کی زمین سے دولت اگانے کے لیے باہر سے غلام بنانے شروع کیے۔ وہ ملایا سے، جاوا اور سب سے بڑھ کر ہندوستان سے غلام لاتے، سب کو ایک ہی جہاز میں لاتے رنگ، نسل، رنگت اور قوم نہیں دیکھی جاتی اس لیے ان سب کو جہازی بھائی کہتے ہیں“ (۸)

”یورپ ایک صحافی کی نظر میں“: اور تاریخی آگہی یورپ کے بارے میں لکھتے ہوئے رضا علی عابدی صرف جدید ترقی یا صنعتی کامیابیوں کا ذکر نہیں کرتے بلکہ ان تاریخی عوامل کا بھی تجزیہ کرتے ہیں جنہوں نے یورپ کو موجودہ مقام تک پہنچایا۔ وہ یورپی نشاۃ ثانیہ، علمی بیداری، تعلیمی روایت، شہری نظم، لائبریریوں، عجائب گھروں اور تاریخی عمارتوں کو ایک مربوط تاریخی سلسلے کے طور پر دیکھتے ہیں۔ اسی طرح وہ یہ بھی واضح کرتے ہیں کہ کوئی بھی معاشرہ اپنی تاریخ سے رشتہ توڑ کر ترقی نہیں کر سکتا۔

”تیس سال بعد“ رضا علی عابدی کے تاریخی شعور کی ایک منفرد مثال ہے۔ یہ سفر نامہ صرف دوبارہ سفر کرنے کی روداد نہیں بلکہ وقت، تبدیلی اور اجتماعی یادداشت کا مطالعہ ہے۔ وہ ایک ہی مقام کو دو مختلف ادوار میں دیکھتے ہیں اور یہ جاننے کی کوشش کرتے ہیں کہ تاریخ نے اس مقام کو کس طرح تبدیل کیا۔ یہاں ان کا تاریخی شعور صرف ماضی کو یاد کرنے تک محدود نہیں بلکہ ماضی اور حال کے درمیان ایک مسلسل مکالمہ قائم کرتا ہے۔ جدید تنقید میں اسے Memory Studies اور Historical Consciousness کا حصہ سمجھا جاتا ہے۔ رضا علی عابدی تیس سال بعد میں لکھتے ہیں۔

”اس واقعے کو اب تیس برس ہونے کو ہیں، میں پیچھے مڑ کر دیکھتا ہوں اور ان لمحوں کو سوچنے کے جتن کرتا ہوں تو کچھ دھواں دھواں سا نظر آتا ہے ایسے میں ایک عجیب واقعہ ہوا میرے کاغذوں کے پلندے سے دو یادداشتیں

نکل آئیں جو میں نے ان ہی دنوں تحریر کی تھیں جب یادیں تازہ تھیں، کچھ ریڈیو پر سنانے اور کچھ بعد میں لکھنے کے لیے اب جب تین دہائیوں کے بعد پڑھا تو لگا کہ یہ میری نہیں کسی اور کی تحریر ہے۔ جو کچھ میں نے پڑھا وہ ذہن میں محفوظ نہیں تھا۔ اوپر سے یہ کہ اس کی کھوج لگانے کے عمل نے اور تاثیر پیدا کر دی تھی۔ وہی جس کے بعد میں کہہ سکتا ہوں کہ اہل انگلستان جو ہر بات کے ٹوٹ بناتے جاتے ہیں اس میں بھی حکمت ہے“ (۹)

تاریخ اور اجتماعی یادداشت

رضاعلی عابدی کے سفر ناموں میں تاریخ ہمیشہ اجتماعی یادداشت سے وابستہ رہتی ہے۔ وہ کسی مقام کو اس کے عوام، روایات، زبان، تہوار، مذہبی آثار، بازاروں اور روزمرہ زندگی کے بغیر نہیں دیکھتے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے ہاں تاریخ زندہ انسانوں کی تاریخ بن جاتی ہے۔ وہ اس امر پر زور دیتے ہیں کہ قومیں اپنی تاریخی یادداشت کے ذریعے ہی اپنی تہذیبی شناخت برقرار رکھتی ہیں۔

نوآبادیاتی تاریخ کا شعور: رضاعلی عابدی برصغیر کی نوآبادیاتی تاریخی سے بھی پوری طرح آگاہ ہیں۔

ان کے سفر ناموں میں انگریز دور کی تعمیرات، ریلوے، شاہراہیں، بندرگاہیں اور انتظامی ڈھانچہ صرف تاریخی معلومات نہیں بلکہ نوآبادیاتی سیاست اور اس کے تہذیبی اثرات کی علامت کے طور پر سامنے آتے ہیں۔ تاہم ان کا انداز جذباتی یا یک رخ نہیں بلکہ معروضی اور تحقیقی ہے۔ یہی اعتدال ان کے سفر ناموں کی علمی اہمیت میں اضافہ کرتا ہے۔

رضاعلی عابدی کے نزدیک تاریخ اور تہذیب کو الگ الگ نہیں سمجھا جاسکتا۔ تاریخ تہذیب کی زمانی جہت ہے، جبکہ تہذیب تاریخ کا ثقافتی اظہار۔ اسی لیے ان کے سفر ناموں میں تاریخی مقامات کے ساتھ زبان، لباس، فن تعمیر، خوراک، تعلیم، مذہب، موسیقی اور عوامی رویے بھی زیر بحث آتے ہیں۔ یہ جامع نقطہ نظر ان کی تاریخی بصیرت کو محض واقعات نگاری سے بلند کر دیتا ہے۔

تحقیقی و تنقیدی جائزہ

تحقیقی اعتبار سے رضاعلی عابدی کے سفر نامے اردو ادب میں تاریخی شعور کی ایک منفرد روایت کی نمائندگی کرتے ہیں۔ انہوں نے تاریخ کو محض ماضی کی یادگاروں تک محدود نہیں رکھا بلکہ اسے انسانی تہذیب، اجتماعی حافظے، ثقافتی شناخت اور

سماجی ارتقا کے تناظر میں سمجھنے کی کوشش کی۔ ان کے سفر ناموں میں ہر تاریخی حوالہ ایک وسیع تہذیبی معنی رکھتا ہے اور ہر مقام انسانی تمدن کے سفر کی علامت بن جاتا ہے۔

جدید تنقیدی نظریات، خصوصاً نیو ہسٹورزم (New Historicism)، میموری اسٹڈیز (Memory Studies)، ثقافتی مطالعات (Cultural Studies) اور مابعد نوآبادیاتی تنقید (Postcolonial Criticism) کی روشنی میں دیکھا جائے تو رضا علی عابدی کی تحریریں تاریخ کو ایک زندہ، متحرک اور مکالماتی عمل کے طور پر پیش کرتی ہیں۔ وہ ماضی اور حال کے درمیان ربط قائم کرتے ہوئے قاری کو یہ احساس دلاتے ہیں کہ تاریخ صرف محفوظ شدہ واقعات کا مجموعہ نہیں بلکہ ایک ایسا شعور ہے جو قوموں کی شناخت، ان کی تہذیبی سمت اور فکری ارتقا کی تشکیل میں مسلسل کردار ادا کرتا ہے۔

اس اعتبار سے رضا علی عابدی کی سفر نامہ نگاری اردو ادب میں تاریخی شعور کی ایک بالغ، متوازن اور فکری روایت کی نمائندہ ہے، جو سفر کو مشاہدے سے آگے بڑھا کر تہذیب، تاریخ اور انسان کے باہمی تعلق کی تفہیم کا مؤثر ذریعہ بنادیتی ہے۔ ان کی یہی خصوصیت انہیں معاصر اردو سفر نامہ نگاروں میں ایک منفرد اور ممتاز مقام عطا کرتی ہے۔

رضا علی عابدی کی سفر نامہ نگاری کا مطالعہ اس حقیقت کو آشکار کرتا ہے کہ ان کے ہاں سفر محض جغرافیائی نقل مکانی نہیں بلکہ تہذیبوں، ثقافتوں اور انسانی رویوں کی بازیافت کا ایک شعوری عمل ہے۔ ان کے سفر ناموں میں تاریخی شعور کے ساتھ ساتھ تہذیبی و ثقافتی شعور نہایت گہرائی اور فکری وسعت کے ساتھ جلوہ گر ہوتا ہے۔ وہ جہاں بھی جاتے ہیں، وہاں کی سڑکوں، عمارتوں اور قدرتی مناظر سے زیادہ وہاں کے انسان، ان کی زبان، رہن سہن، مذہبی اقدار، سماجی روایات، تعلیمی نظام اور اجتماعی طرز فکر کو اپنی توجہ کا مرکز بناتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ ان کے سفر نامے مختلف تہذیبوں کے تعارف سے آگے بڑھ کر تہذیبوں کے باہمی مکالمے (Intercultural Dialogue) کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔

ثقافتی مطالعات (Cultural Studies) کے مطابق ہر معاشرہ اپنی زبان، رسوم، مذہبی تصورات، طرز معاشرت اور اجتماعی رویوں کے ذریعے اپنی شناخت تشکیل دیتا ہے۔ رضا علی عابدی انہی عناصر کو نہایت باریک بینی سے دیکھتے اور ان کی تعبیر کرتے ہیں۔ ان کے ہاں تہذیب جامد روایت نہیں بلکہ ایک زندہ اور ارتقا پذیر عمل ہے، جو زمانے کے ساتھ نئے معانی اختیار کرتا رہتا ہے۔

مشرق و مغرب کا تقابلی مطالعہ

رضا علی عابدی کے سفر ناموں کی ایک بنیادی خصوصیت مشرق اور مغرب کا معروضی اور متوازن تقابلی مطالعہ ہے۔ انہوں نے مغربی معاشرے کو نہ تو اندھی عقیدت کی نگاہ سے دیکھا اور نہ ہی مشرقی احساس برتری کے تحت اس پر تنقید کی، بلکہ ایک غیر جانب دار مبصر کی حیثیت سے دونوں تہذیبوں کے مثبت اور منفی پہلوؤں کو علمی دیانت کے ساتھ بیان کیا۔

ان کے نزدیک مشرق کی اصل طاقت اس کے مضبوط خاندانی نظام، روحانی اقدار، مہمان نوازی اور باہمی رشتوں میں پوشیدہ ہے، جبکہ مغرب کی قوت نظم و ضبط، قانون کی پاسداری، تحقیق، وقت کی قدر اور ادارہ جاتی استحکام میں مضمر ہے۔ وہ اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ کسی بھی تہذیب کی ترقی کاراز دوسری تہذیب کی نفی میں نہیں بلکہ اس کے مثبت پہلوؤں سے سیکھنے میں ہے۔ تنقیدی اعتبار سے رضا علی عابدی کا یہ زاویہ نظر تقابلی تہذیبی تنقید (Comparative Cultural Criticism) کی عمدہ مثال ہے، جہاں تہذیبوں کو تصادم کے بجائے مکالمے کے تناظر میں دیکھا گیا ہے۔ تہذیب اور ثقافت کا شعور رضا علی عابدی کے سفر ناموں میں تہذیب اور ثقافت محض نظری مباحث نہیں بلکہ زندگی کے عملی مظاہر ہیں۔ وہ کسی شہر کو اس کی بلند و بالا عمارتوں سے نہیں بلکہ اس کے باشندوں کے طرز فکر، اخلاقی اقدار، علمی ذوق، عوامی رویوں اور ثقافتی سرگرمیوں سے پہچانتے ہیں۔ ان کے نزدیک تہذیب کا تعلق صرف مادی ترقی سے نہیں بلکہ انسان کے اخلاقی، فکری اور جمالیاتی ارتقا سے بھی ہے۔ اسی لیے وہ عجائب گھروں، کتب خانوں، تاریخی عمارتوں، عوامی پارکوں اور تعلیمی اداروں کو کسی قوم کے تہذیبی شعور کی علامت قرار دیتے ہیں۔ ان کا یہ تصور جدید ثقافتی مطالعات (Cultural Studies) کے بنیادی اصولوں سے ہم آہنگ ہے، جہاں تہذیب کو محض ماضی کی میراث نہیں بلکہ روزمرہ زندگی میں کارفرما اقدار اور رویوں کے مجموعے کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔

زبان: ان کے نزدیک زبان کسی قوم کی تاریخ، فکر اور تہذیب کی سب سے مضبوط علامت ہے۔ وہ مختلف ممالک کے سفر کے دوران زبان کے استعمال، لہجوں، لسانی تنوع اور قومی زبانوں کے احترام کا باریک بینی سے مشاہدہ کرتے ہیں۔ وہ اس امر کی نشاندہی کرتے ہیں کہ ترقی یافتہ قومیں اپنی زبان کو قومی تشخص کا بنیادی ستون سمجھتی ہیں، جب کہ زبان سے غفلت تہذیبی کمزوری کا باعث بنتی ہے۔

لباس: رضا علی عابدی لباس کو محض جسم ڈھانپنے کا وسیلہ نہیں بلکہ تہذیبی شناخت کا آئینہ قرار دیتے ہیں۔ ان کے سفر ناموں میں مختلف معاشروں کے لباس کے ذریعے ان کی آب و ہوا، تاریخ، معاشرتی اقدار اور جمالیاتی ذوق کی جھلک نمایاں ہوتی ہے۔ وہ اس حقیقت کی طرف بھی اشارہ کرتے ہیں کہ جدیدیت کے باوجود ہر قوم اپنی روایتی شناخت کو لباس کے ذریعے محفوظ رکھنے کی کوشش کرتی ہے۔

خوراک: خوراک کے بیان میں بھی رضا علی عابدی کا انداز محض ذائقوں کے ذکر تک محدود نہیں رہتا بلکہ وہ اسے تہذیبی روایت، معاشرتی ساخت اور تاریخی پس منظر سے جوڑتے ہیں۔ ان کے نزدیک مختلف اقوام کی غذائی عادات ان کی تاریخ، جغرافیہ اور معاشرتی ترجیحات کی عکاس ہوتی ہیں۔



سہ ماہی ”تحقیق و تجزیہ“ (جلد 4، شمارہ: 3)، جولائی تا ستمبر 2026ء

مذہبی روایات: رضا علی عابدی مختلف ممالک کے مذہبی مراکز، عبادت گاہوں اور مذہبی رسوم کا نہایت احترام اور معروضیت کے ساتھ مطالعہ کرتے ہیں۔ ان کے ہاں مذہب کسی مخصوص عقیدے کی تبلیغ کا ذریعہ نہیں بلکہ تہذیبی شناخت کا اہم جزو ہے۔

وہ یہ واضح کرتے ہیں کہ مذہبی روایات مختلف قوموں کی اخلاقیات، فن تعمیر، تہواروں، سماجی تعلقات اور روزمرہ زندگی پر گہرے اثرات مرتب کرتی ہیں۔ اسی لیے وہ گرجا گھروں، مساجد، مندروں، خانقاہوں اور دیگر مذہبی مراکز کو تہذیبی ورثے کا حصہ سمجھتے ہیں۔ ان کی یہ روش مذہبی رواداری اور تہذیبی ہم آہنگی کی عکاس ہے۔

سماجی رویے: رضا علی عابدی کے سفر ناموں میں سماجی رویوں کا تجزیہ غیر معمولی اہمیت رکھتا ہے۔ وہ مختلف معاشروں میں قانون کی پاسداری، وقت کی پابندی، صفائی، شہری ذمہ داری، خواتین کے مقام، بچوں کی تعلیم، بزرگوں کے احترام اور عوامی نظم و ضبط کا نہایت باریک بینی سے مشاہدہ کرتے ہیں۔ وہ مغربی معاشروں میں قانون کی بالادستی، اجتماعی ذمہ داری اور عوامی نظم کو ترقی کا بنیادی سبب قرار دیتے ہیں، جبکہ مشرقی معاشروں میں خاندانی رشتوں، محبت، مہمان نوازی اور جذباتی وابستگی کو تہذیبی قوت سمجھتے ہیں۔

یہ تقابل تنقیدی ہونے کے باوجود اعتدال پر مبنی ہے اور مصنف کسی ایک تہذیب کو دوسری پر فوقیت دینے کے بجائے دونوں کے مثبت پہلوؤں سے سیکھنے کی تلقین کرتے ہیں۔

انسان دوستی: رضا علی عابدی کی سفر نامہ نگاری کا ایک اہم وصف انسان دوستی (Humanism) ہے۔

وہ مختلف قوموں، مذاہب، نسلوں اور زبانوں کے لوگوں سے ملتے ہوئے ان کے اندر مشترک انسانی اقدار کو تلاش کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک انسان کی اصل شناخت اس کی قومیت یا مذہب نہیں بلکہ اس کی انسانیت، اخلاق اور کردار ہے۔ ان کے سفر ناموں میں بارہا ایسے واقعات ملتے ہیں جہاں مختلف تہذیبوں کے لوگ محبت، احترام اور خلوص کے ذریعے ایک دوسرے کے قریب آتے ہیں۔ یہی رویہ ان کی تحریروں کو عالمی انسانی اقدار کا ترجمان بنا دیتا ہے۔

بین الثقافتی مکالمہ: رضا علی عابدی کے سفر نامے تہذیبوں کے تصادم (Clash of Civilizations) کے نظریے کی نفی کرتے ہیں۔ ان کے ہاں مختلف تہذیبیں ایک دوسرے سے سیکھتی، ایک دوسرے کا احترام کرتی اور باہمی تعامل کے ذریعے ترقی کرتی ہیں۔

وہ مشرق اور مغرب کے درمیان مشترک انسانی اقدار کو اجاگر کرتے ہیں اور یہ باور کراتے ہیں کہ تہذیبی اختلاف دشمنی کا نہیں بلکہ مکالمے کا سبب ہونا چاہیے۔ جدید Intercultural Studies کے تناظر میں ان کی یہ فکر نہایت اہم ہے، کیونکہ وہ مختلف ثقافتوں کو ایک دوسرے کی ضد نہیں بلکہ تکمیل قرار دیتے ہیں۔

لندن، پیرس، جرمنی اور سوئٹزرلینڈ کے مشاہدات: رضا علی عابدی نے یورپ کے مختلف ممالک کا مشاہدہ ایک سیاح کے بجائے ایک حساس ادیب اور صحافی کی حیثیت سے کیا۔ لندن میں وہ برطانوی جمہوری روایت، لائبریریوں، عجائب گھروں، علمی مراکز، تاریخی عمارتوں، شہری نظم اور کثیر الثقافتی معاشرے کو خصوصی اہمیت دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک لندن مختلف تہذیبوں کے باہمی اشتراک کی علامت ہے۔ پیرس میں وہ فنون لطیفہ، جمالیاتی شعور، ادبی روایت، تاریخی ورثے اور شہری تہذیب کا گہرا مطالعہ کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک پیرس انسانی تخلیقی صلاحیتوں اور تہذیبی ذوق کا نمائندہ شہر ہے۔ جرمنی کے بارے میں وہ وہاں کے تحقیقی مزاج، صنعتی ترقی، نظم و ضبط، تعلیمی نظام اور محنت کش معاشرے کو ترقی کا راز قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک جرمن معاشرہ اس بات کی مثال ہے کہ قومی تعمیر تحقیق، نظم اور اجتماعی ذمہ داری سے ممکن ہوتی ہے۔

سوئٹزرلینڈ میں وہ قدرتی حسن، سماجی نظم، شہری سہولتوں، جمہوری اقدار اور ماحول دوستی کو تہذیبی شعور کی علامت کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ وہ اس امر کی نشاندہی کرتے ہیں کہ قدرتی وسائل کا تحفظ بھی ایک مہذب معاشرے کی بنیادی شناخت ہے۔

رضا علی عابدی کے سفر ناموں میں پاکستانی شناخت ایک مثبت، متوازن اور باوقار انداز میں نمایاں ہوتی ہے۔ وہ بیرون ملک رہتے ہوئے بھی اپنی زبان، ثقافت اور تہذیبی اقدار سے گہرا تعلق برقرار رکھتے ہیں۔ ان کے نزدیک عالمی شہری (Global Citizen) بننے کا مطلب اپنی قومی شناخت سے دست بردار ہونا نہیں بلکہ اپنی تہذیبی جڑوں کو محفوظ رکھتے ہوئے دنیا کی دیگر تہذیبوں سے سیکھنا ہے۔

تحقیقی و تنقیدی جائزہ: رضا علی عابدی کے سفر نامے تہذیبی اور ثقافتی شعور کی ایسی ہمہ گیر تعبیر پیش کرتے ہیں جس میں تاریخ، سماج، زبان، مذہب، فن، تعلیم اور انسان دوستی ایک دوسرے سے مربوط نظر آتے ہیں۔ ان کی تحریریں جدید ثقافتی مطالعات (Cultural Studies)، بین الثقافتی مطالعات (Intercultural Studies)، مابعد نوآبادیاتی تنقید (Postcolonial Criticism) اور تقابلی ادب (Comparative Literature) کے تناظر میں نہایت اہمیت رکھتی ہیں۔ وہ کسی تہذیب کو مطلق برتر یا کمتر قرار نہیں دیتے بلکہ ہر معاشرے کے مثبت اور منفی پہلوؤں کا متوازن تجزیہ کرتے ہیں۔

یہی اعتدال، علمی دیانت اور تہذیبی بصیرت ان کے سفر ناموں کو اردو ادب میں ایک منفرد مقام عطا کرتی ہے۔ ان کے ہاں سفر مختلف قوموں، زبانوں اور تہذیبوں کے درمیان ایک ایسے مکالمے کی صورت اختیار کر لیتا ہے جو قاری میں وسعتِ نظر، رواداری، تنقیدی شعور اور عالمی انسانی اقدار کے احترام کا جذبہ پیدا کرتا ہے۔ یہی اوصاف رضا علی عابدی کو معاصر اردو سفر نامہ نگاری کے ممتاز ترین نمائندوں میں شامل کرتے ہیں اور ان کے سفر ناموں کو محض ادبی متون نہیں بلکہ تہذیبی اور فکری دستاویزات کی حیثیت عطا کرتے ہیں۔ رضا علی عابدی کی سفر نامہ نگاری اردو ادب میں ایک منفرد، باوقار اور فکری روایت کی نمائندہ ہے۔ ان کے سفر ناموں کا مطالعہ اس حقیقت کو آشکار کرتا ہے کہ انہوں نے سفر نامے کو محض سفری مشاہدات یا سیاسی روداد تک محدود نہیں رکھا بلکہ اسے تاریخ، تہذیب، ثقافت، صحافت، عمرانیات اور انسانی نفسیات کے امتزاج سے ایک ایسی جامع ادبی صنف میں تبدیل کر دیا جس میں معلومات، تحقیق، جمالیات اور تنقیدی شعور یکجا ہو گئے ہیں۔ ان کے سفر ناموں میں بیان کردہ مقامات صرف جغرافیائی اکائیاں نہیں بلکہ زندہ تہذیبی متون (Living Cultural Texts) کی حیثیت رکھتے ہیں، جنہیں مصنف ایک حساس محقق، صاحب مطالعہ مؤرخ اور صاحب اسلوب ادیب کی حیثیت سے پڑھتا اور قاری کو بھی ان کے باطن سے روشناس کراتا ہے۔

تحقیقی اعتبار سے رضا علی عابدی کے سفر ناموں کی سب سے بڑی خصوصیت تاریخی شعور ہے۔ وہ تاریخ کو جامد ماضی نہیں بلکہ حال اور مستقبل کے درمیان ایک متحرک ربط کے طور پر دیکھتے ہیں۔ ان کے یہاں تاریخی عمارتیں، شاہراہیں، دریائے ریل کی پٹریاں، بندرگاہیں اور کتب خانے سب تاریخ کے خاموش کردار ہیں، جو انسانی تہذیب کے مسلسل سفر کی گواہی دیتے ہیں۔ وہ ماضی کی بازیافت اس لیے نہیں کرتے کہ قاری کو صرف تاریخی معلومات فراہم کریں، بلکہ اس لیے کہ حال کی فکری اور تہذیبی تشکیل کو سمجھا جاسکے۔ یہی زاویہ نظر ان کے سفر ناموں کو نیو ہسٹورزم (New Historicism) اور میموری اسٹڈیز (Memory Studies) کے تناظر میں غیر معمولی اہمیت عطا کرتا ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی لکھتے ہیں۔

”رضا علی عابدی میں ایک ایسی تخلیقی شان ہے کہ مبارک باد دینے کو جی چاہتا ہے۔ ان کی کتاب پڑھنے سے ماضی اور حال سامنے کھڑے ہو جاتے ہیں اور تبدیلی کا عمل بھی شدت سے محسوس ہوتا ہے، منظر کیسے بدلتے ہیں، انسان کیسے بدل رہے ہیں، وہ پہلے کیا تھے، اب کیا ہو گئے“ (۱۰)

اسی طرح ان کے سفر ناموں میں تہذیبی شعور نہایت گہرائی کے ساتھ جلوہ گر ہوتا ہے۔ وہ مختلف ممالک، اقوام اور تہذیبوں کا مطالعہ کرتے ہوئے ان کی زبان، رہن سہن، طرزِ تعمیر، تعلیمی نظام، مذہبی اقدار، سماجی رویوں اور ثقافتی روایات کا اس انداز سے تجزیہ کرتے ہیں کہ قاری ہر تہذیب کی انفرادیت اور اس کے ارتقائی سفر سے آگاہ ہو جاتا ہے۔ ان کا

مطالعہ نہ تعصب پر مبنی ہے اور نہ سطحی مشاہدے پر؛ بلکہ وہ ہر تہذیب کو اس کے تاریخی، سماجی اور ثقافتی پس منظر میں سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے سفر نامے ثقافتی مطالعات (Cultural Studies) اور بین الثقافتی مکالمے (Intercultural Dialogue) کی بہترین مثال بن جاتے ہیں۔ سید عابد حسین لکھتے ہیں۔

"تہذیب کے تصور کا اقدار کے تصور سے بہت گہرا تعلق ہے۔ تہذیب کا سب سے وسیع اور برتر مفہوم ان الفاظ میں ادا کیا جاسکتا ہے، اقدار کا شعور جو انسانی جماعت رکھتی ہے اور جس کے مطابق وہ اپنی زندگی تشکیل کرنا چاہتی ہے" (۱۱)

فنی اعتبار سے رضا علی عابدی نے اردو سفر نامے کی زبان اور اسلوب کو نئی جہت عطا کی۔ ان کے یہاں صحافت کی معروضیت، ادب کی لطافت، تاریخ کی گہرائی اور تحقیق کی سنجیدگی ایک دوسرے میں اس طرح مدغم ہیں کہ کوئی عنصر دوسرے پر غالب محسوس نہیں ہوتا۔ ان کی نثر سادہ، شستہ، رواں اور علمی وقار کی حامل ہے۔ وہ غیر ضروری لفاظی سے گریز کرتے ہیں اور مختصر مگر بامعنی جملوں کے ذریعے قاری کے ذہن میں پورا تہذیبی منظر نامہ تشکیل دیتے ہیں۔ یہی ان کی اسلوبیاتی انفرادیت ہے۔

جدید تنقیدی نظریات کی روشنی میں دیکھا جائے تو رضا علی عابدی کے سفر نامے مابعد نوآبادیاتی تنقید (Postcolonial Criticism)، ثقافتی مطالعات (Cultural Studies)، تقابلی ادب (Comparative Literature)، نیو ہسٹورزم (New Historicism) اور بیانیاتی تنقید (Narratology) کے متعدد مباحث کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہیں۔ وہ مشرق و مغرب کو متضاد تہذیبوں کے طور پر نہیں بلکہ ایک دوسرے سے سیکھنے والی تہذیبوں کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک اصل اہمیت انسان، اس کی تہذیب، اس کی یادداشت اور اس کی علمی روایت کی ہے۔

رضا علی عابدی کا مقام: رضا علی عابدی اردو کے اُن ممتاز سفر نامہ نگاروں میں شمار ہوتے ہیں جنہوں نے سفر نامے کو معلوماتی ادب سے بلند کر کے ایک فکری، تہذیبی اور تحقیقی صنف کی حیثیت عطا کی۔ ان کی انفرادیت اس امر میں مضمر ہے کہ وہ صحافت کی باریک بینی، تاریخ کی وسعت، ادب کی لطافت اور تہذیبی شعور کو ایک مربوط بیانیے میں سمونے کی غیر معمولی صلاحیت رکھتے ہیں۔

ان کا سفر نامہ صرف مقامات کا بیان نہیں بلکہ تہذیبوں کی تفہیم، تاریخ کی بازیافت اور انسانی رشتوں کی معنویت کا آئینہ دار ہے۔ اسی اعتبار سے انہیں اردو سفر نامہ نگاری کی جدید روایت کا ایک اہم ستون قرار دیا جاسکتا ہے۔

اردو سفر نامہ نگاری میں ان کی خدمات: رضا علی عابدی کی خدمات کو درج ذیل نکات میں سمیٹا جاسکتا ہے:

- انہوں نے سفر نامے کو تاریخ، تہذیب اور ثقافت کے باہمی ربط کا موثر ذریعہ بنایا۔
- انہوں نے صحافتی حقیقت نگاری اور ادبی اسلوب کے حسین امتزاج کو فروغ دیا۔
- انہوں نے تاریخی مقامات کو محض آثارِ قدیمہ کے طور پر نہیں بلکہ زندہ تہذیبی علامتوں کے طور پر پیش کیا۔
- انہوں نے مختلف تہذیبوں کے درمیان علمی اور ثقافتی مکالمے کو فروغ دیا۔
- انہوں نے اردو سفر نامے میں تحقیقی دیانت، حوالہ جاتی شعور اور تاریخی بصیرت کی مضبوط روایت قائم کی۔
- انہوں نے قاری میں عالمی شعور پیدا کرتے ہوئے اپنی قومی اور تہذیبی شناخت کو بھی مضبوط رکھا۔
- انہوں نے سفر نامے کو ادب، صحافت، تاریخ اور ثقافتی مطالعات کے سنگم پر لا کھڑا کیا، جس سے اس صنف کے فکری امکانات میں نمایاں اضافہ ہوا۔

سفارشات: اس تحقیقی مطالعے کی روشنی میں درج ذیل سفارشات پیش کی جاتی ہیں:

- 1- رضا علی عابدی کے تمام سفر ناموں کا جامع تنقیدی ایڈیشن تیار کیا جائے، جس میں توضیحی حواشی اور تاریخی و جغرافیائی اشاریے شامل ہوں۔ جامعات میں ایم فل اور پی ایچ ڈی سطح پر ان کے سفر ناموں کے مختلف پہلوؤں، خصوصاً تاریخی شعور، تہذیبی مطالعے، اسلوبیات اور صحافتی بیانیے پر مزید تحقیقی کام کیا جائے۔
- 2- ان کے سفر ناموں کا تقابلی مطالعہ مستنصر حسین تارڑ، ابن انشاء، قدرت اللہ شہاب اور عالمی سفر نامہ نگاروں کے ساتھ کیا جائے تاکہ ان کی انفرادیت مزید واضح ہو سکے۔

حوالہ جات

- ۱- خرم سہیل، قلم سے آواز تک، مضمون، الطاف گوہر، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۸ء، ص ۳۲۱
- ۲- شبلی نعمانی، علامہ، علم الکلام اور تاریخ اسلام، لکھنؤ: ندوۃ العلماء، ۱۹۱۰ء، ص ۱۱
- ۳- احمد ندیم قاسمی، تہذیب و فن، لاہور: مکتبہ فنون میکلوروڈ، ۱۹۷۹ء، ص ۸۸
- ۴- ڈاکٹر صدف فاطمہ، خواتین کے اردو سفر ناموں کا تحقیقی مطالعہ، کراچی: غزالی برادرز، ۲۰۱۱ء، ص ۱۲
- ۵- خرم سہیل، قلم سے آواز تک، مضمون، ڈاکٹر جمیل جالبی، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۸ء، ص ۳۲۶

- ۶۔ رضا علی عابدی، شیر دریا، علی گڑھ: ایجوکیشنل بک ہاؤس، ۱۹۹۵ء، ص ۵
- ۷۔ رضا علی عابدی، ریل کہانی، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، ۱۹۹۹ء، ص ۱۷۴
- ۸۔ رضا علی عابدی، جہازی بھائی، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۹ء، ص ۱۷۱-۱۸
- ۹۔ رضا علی عابدی، تیس سال بعد، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۲ء، ص ۷
- ۱۰۔ خرم سہیل، قلم سے آواز تک، مضمون، ڈاکٹر جمیل جالبی، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۸ء، ص ۳۲۶
- ۱۱۔ عابد حسین، سید، ڈاکٹر، قومی تہذیب کا مسئلہ، علی گڑھ: انجمن ترقی اُردو، جولائی ۱۹۵۵ء، ص ۱۵

References:

1. Khurram Suhail, Qalam Se Awaaz Tak, Mazmoon: Altaf Gauhar, Lahore: Sang-e-Meel Publications, 2018, p. 321.
2. Shibli Nu'mani, Allama, Ilm-ul-Kalam aur Tareekh-e-Islam, Lucknow: Nadwat-ul-Ulama, 1910, p. 11.
3. Ahmad Nadeem Qasmi, Tehzeeb-o-Fan, Lahore: Maktabah-e-Funoon, McLeod Road, 1979, p. 88.
4. Sadaf Fatima, Dr., Khawateen ke Urdu Safarname: Ek Tahqiqi Mutala'ah, Karachi: Ghazali Brothers, 2011, p. 12.
5. Khurram Suhail, Qalam Se Awaaz Tak, Mazmoon: Dr. Jameel Jalibi, Lahore: Sang-e-Meel Publications, 2018, p. 326.
6. Raza Ali Abidi, Sher-e-Darya, Aligarh: Educational Book House, 1995, p. 5.
7. Raza Ali Abidi, Rail Kahani, Lahore: Sang-e-Meel Publications, 1999, p. 174.
8. Raza Ali Abidi, Jehazi Bhai, Lahore: Sang-e-Meel Publications, 1999, pp. 17-18.
9. Raza Ali Abidi, Tees Saal Baad, Lahore: Sang-e-Meel Publications, 2012, p. 7.
10. Khurram Suhail, Qalam Se Awaaz Tak, Mazmoon: Dr. Jameel Jalibi, Lahore: Sang-e-Meel Publications, 2018, p. 326.
11. Abid Husain, Syed, Dr., Qaumi Tehzeeb ka Mas'alah, Aligarh: Anjuman-e-Taraqqi-e-Urdu, July 1955, p. 15.